زاہد عکاسی

قافلہ سالار خطابت

رات کے دو بج چکے تھے۔ کافی ہاؤس میں ابھی زندگی کی ہما ہمی جاری تھی۔ فٹ پاتھ پر کرسیاں بچھائے کچھ لوگ مذہبی مسئلوں پر بحث کر رہے تھے۔ گیلری میں چند صحافی صبح کی خبروں پر تبصرہ کرنے میں مصروف تھے۔

جونہی میں کافی ہاؤس میں داخل ہوا میری نظر میز پر پڑے ہوئے ایک مقامی اخبار پر جا پڑی۔

پہلی خبر جس پر میری توجہ منعطف ہوئی "امیر شریعت کی موت" کی خبر تھی۔ میں اخبار لے کر ایک گوشے میں جا بیٹھا۔ اور زندگی کے تلخ حقائق کے متعلق سوچنے لگا۔ ذہن کے پردے پر یادوں کے دھندلے سے نقوش ابھرنے لگے۔ اپنے مکان کی چھت پر "سرخ پھریرے" کا ہلکا سا عکس دکھائی دیا اور پھر اپنے بچپن کی وہ گھڑیاں یاد آنے لگیں۔ جب احرار رضا کاروں کے ساتھ قدم ملانے کی سعی کیا کرتا تھا۔

احرار کے اس بوڑھے جرنیل سے میری عقیدت قدرتی تھی۔ اس میں نہ کسی بڑے فلسفہ داں کو دخل ہے نہ کسی مذہبی آمر کو۔ اور میری اس عقیدت کو دنیا کی کوئی بڑی سے بڑی طاقت بھی مجھ سے نہیں چھین سکتی۔

۱۹۲۹ء میں مجاہدین اسلام کی اٹھنے والی تحریکیں جنہوں نے برطانوی سامراج سے ٹکر لی۔ ان میں شاہ جی پیش پیش تھے۔ اور پھر جب احرار رضا کار برطانوی استعمار سے ٹکرا گئے۔ تو وہ

نغمہ حب وطن سولی پہ گایا جائے گا!

کی زندہ تصویر تھے۔

حتیٰ کہ جب ۱۹۴۷ء کا آفتاب نصف النہار پر پہنچا تو ہندوستان سے برطانوی استعمار کا سورج غروب ہو گیا۔ شہنشاہیت کے ان حامیوں کو جن کا سورج روئے زمین پر غروب نہیں ہوتا تھا۔ اپنے چھوٹے سے ملک میں پناہ لینے پر مجبور کر دیا گیا۔

برطانوی سامراج کی لعنت ہندوستان سے ختم کرنے میں شاہ جی کا کردار سب سے نمایاں ہے۔ اور ان کے اس کردار کی بدولت ہر شخص غیر متعصبانہ طور پر یہ شعر پڑھنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔

کچھ ایسے لوگ بھی اس جہاں میں ہوتے ہیں
ستارے ٹوٹتے ہیں جن کی جستجو کے لئے

شاہ جی اگر چاہتے تو غداران ملک و ملت کی طرح جاگیروں کے مالک بن سکتے تھے۔ مگر میری قوم کے اس مجاہد نے ضمیر کے خلاف کام کرنے میں عار محسوس کی۔ ضمیر کی موت انسانیت کی موت ہوتی ہے۔ چنانچہ اس نے قوم کو گرداب میں پھنسی ہوئی کشتی کو کنارے پر لانے کی جدوجہد کی اور اس میں وہ کافی سے زیادہ

کامیاب بھی رہا۔

دانشوروں کا کہنا ہے کہ ہندوستان میں جمال الدین افغانی کے بعد صحیح معنوں میں ایک یہی مجاہد تھا جو برطانوی استعمار سے ٹکرایا۔

شاہ جی کی سب سے پہلی تقریر میں نے دھوبی گھاٹ لائلپور کے وسیع پنڈال میں سنی تھی۔ اس وقت شاہ جی کافی سن رسیدہ تھے۔ اس کے برعکس خطابت میں وہی بجلی کی سی تیزی موجود تھی۔ آپ گزشتہ نصف صدی کی تاریخ دہرا رہے تھے۔ ہنسانے پر آتے تو گھنٹوں ہنساتے رہتے۔ اور جب آپ گزشتہ ٹوٹے ہوئے ربط کے تاروں کو چھیڑتے تو سامعین کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے۔ اور ان کی نظروں کے سامنے پانچ دریاؤں کی پاک سرزمین آجاتی جس پر کبھی ہندوستان کے رانجھے ہیروں کی یاد میں بنسری کی لے پر ہجر و وصال کے نغمے چھیڑا کرتے تھے۔

شاہ جی متعدد بار گرفتار ہوئے اور جیل پہنچے۔ جیل میں بھی اپنے مقصد کو نہ بھولتے بلکہ قیدیوں کو توحید و رسالت کا سبق دیتے رہے۔ آپ کی باغ و بہار طبیعت جیل کو گلستان بنا دیتی۔ ادبی، ثقافتی، سیاسی محفلیں جمتیں۔ مشاعرے ہوتے۔ قوالیاں ہوتیں اور جیل کی زندگی کا طویل عرصہ گزارتے ہوئے تکلیف محسوس نہ ہوتی۔ اور جب آپ رہا ہو کر آتے تو اکثر لوگ آپ کو یاد کرتے رہ جاتے۔ جس نے ایک دفعہ بھی آپ سے ملاقات کی وہ آپ کا گرویدہ ہو کر آپ کی شخصیت و کردار سے بے حد متاثر ہوتا۔ اور ہمیشہ کے لئے آپ ہی کا ہو کر رہ جاتا۔

آپ خود کہتے تھے:

باتیں ہماری یاد رہیں پھر باتیں نہ ایسی سنیئے گا
کہتے کسی کو سنیئے گا تو دیر تلک سر دھنیئے گا

اور ان کے اس قسم کے الفاظ میرے ذہن کو اتھاہ غم کی گہرائیوں میں پھینک دیتے ہیں کہ آہ اب یہ مردِ مجاہد ہم سے ہمیشہ کے لئے بچھڑ جائے گا۔

اور پھر سوچتا ہوں کہ قدرت کا یہی قانون ہے اور ازل سے ایسا ہی ہوتا چلا آیا ہے کہ بڑے لوگ اپنی یادوں اور اپنے عقیدت مندوں کو روتا ہوا چھوڑ جاتے ہیں۔ مگر پھر دوسرا خیال آتا تھا کہ احرار کا یہ بوڑھا جرنیل ابھی ہمیں روتا ہوا چھوڑ کر نہیں جا سکتا۔ قدرت اتنی ستم گر نہیں کہ ابھی ہم سے اس مجاہد کو چھین لے۔

شاہ جی نے کہا تھا دنیا میں مجھے ایک چیز سے محبت ہے وہ ہے قرآن اور دنیا میں مجھے ایک چیز سے نفرت ہے وہ ہے انگریز۔

شاہ جی اپنے اس قول کو صداقت میں انگریز کے مظالم سے نہیں ڈرے۔ بلکہ بہانگ دہل اس کے خلاف میدان جنگ میں آئے۔ جسے دنیا متحیر ہو کر دیکھتی رہ گئی۔ ایسا مجاہد ہم سے ہمیشہ کے لئے نہیں چھین سکتا۔ کہ ہم اس کے خلاف کو جہاں بھی ابھرتا ہوا محسوس کریں اس کے خلاف صف آرا ہو جائیں۔ حتیٰ کہ انسان کو